مشرق اور مغرب کی تہذیبی کش مکش

سمیرا اسلم

ABSTRACT:

Eastern and Western civilization and its clash is an important research work. It highlights the merits and demerits of the both civilizations. The research suggests that the clash of civilization is a reality.The contrast of Eastern and Western Civilizations is so much striking that some time a very intelligent person also remains astonished.The clash of Both Civilizatuions have been depicted very beautifully in Urdu Fiction.Urdu Fiction has laid a great focus to enlight its reader about the changed point of view of life in Eastern and Western Civilizations.So,it suggests that clash must be accepted as a fact. Hence, East and West should adopt suitable measures to learn tolerance of differences and be prepared to accept others with thier qualities and faults. It will enable them to enjoy modern world with its merits and demerits.It also suggests that need of reformation in both civiliztions is necessray. Reformation in both civilization will produce a safe future to the coming generations.

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد برصغیر کی حکومت اور معاشرہ زوال پذیر ہوتا چلا گیا۔ مسلم عوام کی وفاداریاں مغل حکمرانوں کی ہندونوازی اور صلح کل پر مبنی مصلحت کے سبب پھیکی پڑ گئیں۔ اب وہ ''اکبر اعظم'' کے طرز فکر کے حامل عیاش شہنشاہوں کی حکومت کی حفاظت کے لیے جہاد کرنے کی بجائے ''پیشہ ور سپاہی'' بن چکے تھے جن کی وفاداریاں کوئی بھی خرید سکتا تھا۔ مسلمان نواب ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما تھے، ہندو راجا مغل قصر اقتدار کو ڈھانے کے لیے پوری کوشش کر رہے تھے، مرہٹوں کی صورت میں عوام پر ایک عذاب الٰہی نازل ہو چکا تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹوں کو شکست دی لیکن اس کی واپسی کے بعد برصغیر میں ایک سیاسی خلا

پیدا ہوگیا۔ جس میں سات سمندر پار سے آئی ہوئی تاجر کمپنیوں کو پیش قدمی کا موقع مل گیا۔ فرانسیسی اور برطانوی کمپنیوں نے مقامی حکمرانوں کے باہمی اختلافات کو ہوا دی اور اپنے پاؤں مضبوط کرنے شروع کر دیے۔ انھیں کرائے کے سپاہی یہیں سے مل گئے تھے۔ اور انھوں نے انھی کی مدد سے ایک دوسرے کے خلاف جنگیں لڑیں۔ بالآخر برطانوی کمپنی اپنے حریف پر قابو پانے میں کامیاب ہوگئی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

۱۲/اگست ۱۸۰۳ء کو احمد نگر پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ ۱۴ اکتوبر کو اسیر گڑھ پر ۱۵، اکتوبر کو برہان پور اور اسی سال بندیل کھنڈ پر قبضہ ہوگیا۔ ۱۴ ستمبر ۱۸۰۳ء کو ظفریاب انگریز افواج مغلوں کے مرکز سلطنت دہلی میں داخل ہوگئیں اور مغلیہ حکومت ہٹتے ہٹتے لال قلعہ کی چار دیواری میں سمٹ کر محصور ہوگئی۔ مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی انگریزوں کا وظیفہ خوار ہوگیا اور انگریز ریذیڈنٹ امور سلطنت کی نگرانی کرنے لگا۔ یہ سب فتوحات اتنی آسانی سے ہنستے کھیلتے ہوئیں کہ خود فاتح بھی حیران رہ گیا۔ وولزلی نے کہا:

> ''پورے ہوش وحواس کے ساتھ کہتا ہوں کہ خود مجھے امید نہیں تھی کہ میرے سارے منصوبے اتنی تیزی سے فوری طور پر استحکام کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں گے۔''(۱)

اس سلسلے میں ڈاکٹر آصف اعوان کے خیالات بھی ملاحظہ فرمائیں:

> ''انگریزوں نے اپنی ہٹ دھرمی، سازشی ذہن اور فطری مکاری کی بنا پر نہ صرف بنگال، میسور، سندھ، پنجاب اور اودھ میں قدم جمائے بل کہ دکن، حیدرآباد، کرناٹک، تنجور، سورت، فرخ آباد اور جھانسی کو بھی ہڑپ کر گئے اور ایک وقت وہ آیا کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب، انگریز پورے ہندوستان کے مالک ومختار بن گئے۔''(۲)

۱۷۷۳ء تک انگریزوں نے کھلم کھلا اپنے حکمران ہونے کا اعلان نہ کیا۔ ملک کا نظام چلانے کے لیے انھوں نے یہ طریقہ اپنایا کہ اختیارات کا اصل سرچشمہ کمپنی کو قرار دیا۔ لیکن ظاہری ذمہ داری مقامی نوابوں اور حکمرانوں کو سونپ دی۔ یوں کمپنی کی ظاہری حیثیت مغل شہنشاہ کے ایک نواب کی تھی جو اس کی طرف سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کا منتظم تھا اور خراج ادا کرتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ حکومت کی اصل باگ ڈور کمپنی کے ہاتھ میں تھی۔ کمپنی کے اختیار میں زیادہ علاقے آتے گئے۔ توں توں انھوں نے اپنی ظاہری کیفیت میں تبدیلی کی اور دہلی کے دربار کو بتدریج اس بات کا احساس دلایا کہ صورت حال تبدیل ہوچکی ہے۔ اس دوران میں انھوں نے ایک اہم کام یہ کیا کہ مسلمانوں کو اس حد تک کم زور کر دیا کہ ان کی مزاحمت کی قوت مکمل طور پر ختم ہوگئی اور تمام مقامی حکمرانوں نے انگریزوں کی برتری تسلیم کر لی۔ انگریزوں کی فتح وکامیابی کا اثر برصغیر کی دونوں بڑی قوموں پر مختلف ہوا۔ مسلمانوں کے نزدیک انگریز ان کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ جس نے سلطنت اور اقتدار ان سے چھین لیا تھا۔ وہ اس کے ہر فعل کو شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کے برخلاف ہندوؤں نے انگریزی اقتدار کو اس لیے خوش آمدید کہا کہ مسلمانوں نے یہی اقتدار ان سے چھینا تھا اور اب وہ حکمران نااہل، بداعمال اور ناکارہ ہوچکے تھے۔ انگریزوں کا نظام اٹھارہویں صدی کے مسلم نظام سے بہتر تھا۔ ہندوؤں کے لیے اس وقت یہ صرف حکمرانوں کی تبدیلی تھی۔ مسلمانوں نے اسی لیے نئے

مغربی تصورات اور انگریزی تعلیم کو مسترد کر دیا اور ہندوؤں نے اسے قبول کر لیا۔ ہندوؤں کے لیے انگریزی اقتدار اس قدر تکلیف کا باعث نہیں تھا جتنا مسلمانوں کے لیے اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہندو پہلے ہی محکوم قوم تھے لیکن مسلمان حکمران سے محکوم ہو گئے۔ اس سلسلے میں اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

''ہندو موم کی ناک ثابت ہوئے۔ وہ پہلے بھی غلام رہ چکے تھے اس لیے انھیں اس تبدیلی سے تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ چوں کہ انھوں نے نئے حکمرانوں کے ساتھ خوشی خوشی تعاون کیا اور ان کا احترام کما حقہ کرتے رہے۔ اس لیے انھیں قدرتاً ان کا اعتماد اور ان کی محبت بھی حاصل ہو گئی۔''(۳)

حاکم قوم ہونے کی وجہ سے انگریزوں نے اپنے عتاب کا نشانہ مسلمانوں کو بنایا۔ انھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور نفرت کا بیج بویا۔ ہندوؤں کو اپنے ساتھ ملایا اور مسلمانوں پر حیات و کاروبار کے دروازے بند کر دیے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کو فضا کو مکدر کرنے اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے فرقہ پرستی کو ہوا دی۔ بہ قول پروفیسر سید محمد سلیم:

''انگریزوں نے قادیانی فرقہ کو پروان چڑھایا۔ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے آپ کو انگریزوں کا خود ساختہ پودا کہتا تھا۔ مسلمانوں کو تعلیم کے میدان میں پیچھے دھکیلنے کے لیے مدارس کو ختم کر دیا گیا اور عربی و فارسی ختم کر کے اردو زبان کو رائج کیا گیا۔''(۴)

چوں کہ مسلمان حاکم قوم تھے لہذا ان کی قوت کو ختم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ان کی زبان کو ختم کر دیا جائے۔ لہذا انگریز نے فارسی زبان کو مکمل طور پر کچل کے رکھ دیا۔ معاشی سطح پر بھی مسلمانوں کا بھرپور استحصال کیا گیا۔ یہاں تک کہ مسلمان دو وقت کی روٹی کے محتاج ہو کر رہ گئے۔ جو مسلمان عالی شان محلات میں رہتے تھے ان کی خدمت کے لیے خدام اور گھوڑے گاڑیاں موجود تھے۔ اب ان کا حال یہ تھا کہ ان کے گھر یتیم اولاد سے بھرے پڑے تھے اور بھوک کے ہاتھوں اتنے مجبور تھے کہ ان کی زندگی تعطل و انارکی کا شکار ہو رہی تھی۔ بڑے بڑے محکموں میں مسلمانوں کی تعداد صفر سے زیادہ نہیں تھی۔ تمام ملازمتیں آہستہ آہستہ مسلمانوں سے چھین کر ہندوؤں کے حوالے کر دی گئیں۔ یہاں تک کہ خالی آسامیوں کے لیے سرکاری گزٹ میں اشتہار دیتے ہوئے اعلان کیا جاتا کہ یہ ملازمت ہندوؤں کے سوا کسی کو نہیں ملے گی مسلمانوں کو اگر سرکاری نوکری ملتی تو صرف چپراسی کی سطح تک ہوتی۔ یوں مسلمانوں کا اعلیٰ افسر بھی ہندوؤں اور انگریزوں کے مقابل ان کا ادنی غلام دکھائی دیتا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک دانستہ کیا تاکہ حاکم ہونے کی حیثیت سے وہ انگریزوں کے سامنے دوبارہ سر نہ اٹھا سکیں۔ اس سلسلے میں یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''جب ملک ہمارے (انگریز کے) قبضے میں آیا تو مسلمان سب قوموں سے بہتر تھے۔ نہ صرف یہ کہ وہ شجاعت و دلیری اور جسمانی لحاظ سے دوسری قوموں کے مقابلے میں بہت زیادہ طاقت ور اور مضبوط تھے بل کہ سیاسی اور انتظامی قابلیت بھی ان میں وافر تھی لیکن یہی لوگ آج سرکاری

اور غیر سرکاری اسامیوں سے قطعی محروم ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔حقیقتاً اب کلکتے میں شاید ہی کوئی سرکاری دفتر ایسا ہو گا کہ جس میں کسی مسلمان کو دربانی چپڑاسی ،دواتیں بھرنے والے یا قلم درست کرنے کی نوکری سے کچھ زیادہ کی امید ہوسکتی ہو۔''(۵)

مسلمانوں کے ساتھ تحقیر آمیز سلوک اور تعلیمی و معاشی استحصال تو ایک طرف ،انگریزوں نے جنگ کے انتقام کے جوش میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دیں اور لاکھوں بے گناہوں کی عزت و ناموس کو خاک میں ملا دیا، وہ ایک درد بھری داستان ہے خواجہ جمیل احمد اس کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''غلاموں (محکوم اقوام) کی بغاوت اگر ناکام ہوجائے تو انھیں اس کا بہت خراب خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے،لیکن کسی فاتح قوم نے اپنے مقصد سے اتنا ظالمانہ ،خوفناک اور نفرت انگیز انتقام نہیں لیا جتنا برطانوی فاتحین نے ہندوستان کے مسلمانوں سے۔''(۶)

۱۸۵۷ء کے بعد کا دور مسلمانوں کے لیے کڑی آزمایش اور ابتلا کا زمانہ تھا۔انگریز انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ اور ان کا نشانہ صرف اور صرف مسلمان تھے۔یہ وہ دور تھا جب مسلمان ہونا ہی سب سے بڑا جرم تھا۔ انگریز چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو کم زور کر دیا جائے تاکہ وہ خطرناک بننے کی قوت حاصل نہ کرسکیں۔اپنے اس مقصد میں وہ بہت حد تک کامیاب رہے۔دوسری طرف مسلمانوں کے حالات پر نظر دوڑائی جائے تو ان میں اپنی بقا کو قایم رکھنے کے لیے دو طبقات نے جنم لیا۔ایک طبقے کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو جدید انگریزی علوم سے شناسائی حاصل کرنی چاہیے جس کی بدولت انگریز دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں۔اس طبقہ کے روح رواں سرسید احمد خان ۱۸۱۷۔۱۸۹۸ء تھے۔ جب کہ دوسرے طبقے کا خیال تھا کہ دوسروں کی معاشرت کی تقلید کا مطلب ان کے غلبے کو تسلیم کرنا ہے اور اپنی معاشرت کے حقیر اور غیر معیاری ہونے کو مان لینا ہے۔ یہ نہ صرف انگریزوں کے تسلط کو مستحکم کرنے کا باعث ہے بلکہ ان کی معاشرت اختیار کرنے کے بعد عقیدہ غیر اسلامی ہوجائے گا۔لہذا مسلمانوں کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی بجائے دینی تعلیم حاصل کرنی چاہیے تاکہ اپنے اصل سے وابستہ رہیں۔ اس کے پیروکار دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلما، دارالمصنفین اعظم گڑھ تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ''مذہب'' اور ''مغرب'' سے وابستگی کے خیال نے آنے والی نسل کو عجیب و غریب ذہنی کش مکش کا شکار کر دیا۔بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

''۔۔۔۔۔نئی تعلیم کے ساتھ جو معاشرت آئی اس نے اسلام کے معاشرتی حصے کو مسخ اور برباد کر کے رکھ دیا۔اس کے بعد مغرب سے آمد و رفت اور دیگر روابط کی وجہ سے یہ سلسلے اور بھی محکم ہو گئے۔ قیام پاکستان تک مغربی معاشرت اختیار کرنے میں جو جھجک تھی نئی مملکت کے ظہور میں آنے کے بعد وہ بالکل دور ہوگئی اور اب تعلیم یافتہ کا قبلہ مقصود یہی مغربیت ہے اور عوام قدرے اپنی ڈگر پر بے مقصود چل رہے ہیں مگر ان میں سے بیش تر کا رخ جتنی جتنی آسودگی نصیب ہوتی جاتی ہے اتنا ہر شخص مغربی معاشرت اختیار کرتا جاتا ہے۔''(۷)

اس سلسلے میں علامہ ابن خلدون کے خیالات بھی ملاحظہ فرمائیں:

''جب ایک قوم دوسری قوم پر غالب آتی ہے تو یہ غلبہ صرف سیاسی اور ظاہری برتری کا نہیں ہوتا بل کہ حاکم قوم کی حکومت دلوں اور دماغوں پر بھی مسلط ہوجاتی ہے۔ اور اخلاق، تہذیب اور مذہب میں بھی حاکم قوم کے خیالات محکوم قوم کے غالب آجاتے ہیں۔''(۸)

محولہ بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب ایک قوم پر دوسری قوم کا غلبہ و اقتدار قایم ہوجاتا ہے تو محکوم قوم سیاسی غلامی اور استحصال کا شکار ہی نہیں ہوتی بل کہ معاشی تنگ دستی اور فاقہ کشی بھی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ سیاسی غلامی کے بعد دوسرا مرحلہ ذہنی غلامی اور مرعوبیت کا ہے۔ اس محاذ پر جابر حکمران عموماً محکوم قوم کے سرکردہ افراد کو اپنے دام فریب میں لاتے ہیں اور ایسے ادارے قایم کرتے ہیں جن کے ذریعے ایسے خیالات ونظریات کا زہر محکوم قوم کی رگوں میں اتارا جاتا ہے جس کی وجہ سے قوم کے اندر حریت وآزادی اور غیرت وحمیت کا ہر احساس مٹ جاتا ہے اور وہ اپنی گردن میں پڑے ہوئے غلامی کے طوق کو بھی دل کش ساز سمجھنے لگتی ہے۔ پس مسلمانوں نے بھی ذہنی اور نفسیاتی سطح پر اپنے آپ کو شکست خوردہ تسلیم کرلیا اور محکومی و غلامی پر شاکر و صابر ہوکر بیٹھ گئے۔ انھوں نے مغربی تسلط کو نہ صرف قبول کیا بل کہ مغربی تہذیب و معاشرت کے ایسے دل دادہ ہوئے کہ مشرقی تہذیب اور اپنی اقدار کا مضحکہ اڑانا شروع کردیا۔ وہ حکمران طبقہ کی تقلید کر کے فخر محسوس کرتے اور انگریزی زبان میں گفت گو کرنے والے کو ''مہذب'' اور ''اعلیٰ'' تصور کرتے۔ وہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد اور دنیاوی فواید کے لیے انگریزوں کی چاپلوسی اور خوشامد کرنے کو ہرگز معیوب نہ سمجھتے۔ یہاں تک کہ مذہب کو بھی انگریز کی چوکھٹ پر قربان کرنا پڑتا تو وہ اس میں ذرا بھر جھجک محسوس نہ کرتے۔ یوں انگریزی حکومت نے ہندوستان کے روحانیت پرور ماحول کو مادیت زدگی کا شکار کردیا۔

انگریز حکمرانوں نے ہندوستانیوں کے دلوں میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی تھی کہ اس وقت دنیا میں اگر کوئی قوم ترقی وعظمت کی علم بردار ہے تو وہ صرف انگریز ہیں۔ انھوں نے مقامی رعایا کے ساتھ ایسا حقارت آمیز سلوک کیا کہ خود انھیں اپنی پستی اور کمتری کا یقین ہونے لگا اور وہ اپنے آپ کو انگریز کے مقابلے میں وحشی، اجڈ اور جانور خیال کرنے لگے۔ انھیں احساس ہوا کہ اگر وہ بھی ترقی کرنا چاہتے ہیں تو انھیں انگریزوں کی سی عادات و اطوار اختیا رکرنا ہوں گی۔ چناں چہ ان کے ہاں انگریز کی تقلید میں کوٹ پتلون پہننا، انگریزی چال ڈھال، وضع قطع اور معاشرت کے ہر ہر پہلو میں انگریز کی نقل اتارنا ترقی کی علامت قرار پایا۔

الغرض ہندوستانی معاشرے میں ترقی کے نام پر شراب کا رواج عام ہوا، مذہب کے معاملے میں مادی نقطہ نظر کو فروغ ملا، تعلیم مذہب سے بے گانہ ہوئی، عورتوں نے پردے کی پابندی سے ہاتھ اٹھایا۔ مشرقی (تہذیب) زبان، لباس، آداب، رسم ورواج اور علوم کو دقیانوسی قرار دیا گیا۔ جب کہ انگریزی تہذیب و معاشرت کی تقلید کو کامیابی کی علامت سمجھا گیا۔ یوں مغرب نے ہندوستانیوں کو ترقی کا ایسا شوق دلایا کہ وہ بے خود ہوگئے۔ انھیں اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ وہ ترقی کے اس جوش میں سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں جو دور سے تو چمک دار

دکھائی دیتا ہے مگر قریب سے اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔

حوالہ جات:

(۱) جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد سوم، لاہور، مجلس ترقی آداب، ۲۰۰۶، ص:۲۰

(۲) محمد آصف اعوان، ڈاکٹر، مولف، مغربی تہذیب کے مشرقی نقاد، لاہور: بزم اقبال، ۲۰۱۲، ص:۳۸

(۳) اشتیاق حسین قریشی، برصغیر پاک وہند کی ملت اسلامیہ، مترجم ہلال احمد زبیری، کراچی یونیورسٹی، 1967، ص:292

(۴) محمد سلیم، پروفیسر، سید، مسلمان اور مغربی تعلیم، لاہور: ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، ۱۹۸۵، ص:۹۹

(۵) اکرم چغتائی، محمد، مرتب، 1857ء، تاریخی، علمی، اور ادبی پہلو، لاہور، حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، 2007، ص143

(۶) جمیل احمد، خواجہ، انگریز اور مسلمان، ص۱۸۴

(۷) سید عبداللہ، ڈاکٹر، کلچر کا مسئلہ، اثرات فرنگ کا دور، ص74

(۸) محمد اکرم، شیخ، موج کوثر، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۸۴، ص:۳۳۳